اسلم انصاری اور حبیب الرحمٰن ہاشمی جیسے لوگ جس کے مداح تھے) کی موت سے، شفقت پدری کی کمر اسی دن دوہری ہوگئی تھی۔ جس دن عطاء المکرم اور عطاء المنعم کے سر سے سایہ اٹھ گیا تھا۔ صبیح الحسن اور عطاء المنان کی دین و دنیا کی نشو ونما کا ابتدائی در بند ہوگیا تھا۔ کفیل شاہ جی کا بازو کٹ گیا تھا اور بہنوں کی آنکھوں کا چراغ بجھ گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اپنے مشفق و مہربان بھائی وکیل شاہ صاحب کی موت پر مرتضیٰ شاہ جی حزن وملال کی زبانِ حال میں گویا ہیں :

''ممکن نہیں ہے درد کا اظہار دوستو! لیکن نہیں ہے موت سے انکار دوستو
اک شخص جس نے زندگی میری سنواردی کیسے بھلاؤں اس کا بھلا پیار دوستو
وہ باپ، دوست، بھائی تھا سب کچھ میرے لیے صنّاعیِ خدا کا تھا شاہکار دوستو
اس کی نصیحتیں ہیں مجھے یاد آج بھی وہ میرے کارواں کا تھا سالار دوستو
اس کی لحد کو اے خدا جنت نظیر کر دامن میں اپنی دیں پناہ، سرکارؐ دوستو

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

# پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا سانحہ ارتحال

پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا نام بھی میرے موبائل کی ڈائری سے کٹ کر قرطاسِ دل پر ہمیشہ کے لئے نقش ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

۷ اپریل بروز جمعرات دو بجے استاذ محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کے ساتھ مرکزی عیدگاہ میں جب جنازہ کے لئے پہنچا تو وہاں مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کو بھی جنازہ میں شرکت کا منتظر پایا تب حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے پوچھا کہ جنازہ کس کا ہے؟ مفتی صاحب نے بتایا:

''پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کی رحلت ہوگئی ہے، ان کی نماز جنازہ ادا کرنی ہے''

بے ساختہ زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا اور میں نے مفتی صاحب سے عرض کیا کہ اعوان صاحب نے تو میرے سامنے اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ:

''میں نے مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا ہے کہ میری نماز جنازہ آپ نے پڑھانی ہے''

مفتی صاحب نے اسی موقع پر فرمایا کہ انہوں نے دو روز قبل ختم صحیح بخاری شریف کی تقریب کے لئے ہزار روپے بھی بھجوائے اور دعا کے لئے بھی درخواست کی تھی۔

پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب کا خاندان ساہیوال ضلع سرگودھا میں آباد رہا، آپ کے دادا نظام الدین کو سر رحیم بخش کے توسط سے ریاست کی طرف سے بارہ مربع زمین ملی تو وہ چنی گوٹھ آ گیا۔ بعد میں وہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید بن کر مرتد ہوگیا۔ اس کا خاندان قادیانیت کی تاریک گھاٹی میں بھٹک کر رہ گیا۔ اسی نظام الدین کے بیٹے رحیم بخش کے گھر چنی گوٹھ میں چھ ستمبر 1935ء کو پروفیسر عطاء اللہ اعوان صاحب پیدا ہوئے۔

آپ نے پرائمری تک مہند شریف پڑھا، مڈل کا امتحان چنی گوٹھ سے پاس کیا اور پھر صادق عباس ہائی سکول احمد پور شرقیہ میں نویں کلاس میں دخلہ لے لیا۔ اسی دوران علماء کرام کی تقاریر بالخصوص حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ولولہ انگیز تقریر سننے کا انہیں موقع ملا تو انہیں اپنی قادیانیت کی فریب کاری کا احساس ہونے لگا۔ تعلیم کے دوران ان کے ہم سبق بھی آپس میں کہتے تھے کہ ''یہ لڑکا قادیانی ہے'' جس سے انہیں احساس ہوتا تھا کہ قادیانیت کوئی قابلِ نفرت چیز ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں قادیانیت کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کا یقین ہوتا چلا گیا۔ اور پھر 27 اپریل 1951ء کو حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز مولانا مفتی واحد بخش صاحب نوراللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور قادیانیت کے دجل وفریب سے نکل کر اسلام کی ابدی روشنی اور کامیابی سے وابستگی اختیار کر لی، خاندانی دولت اور عیش وعشرت کو لات ماری، والدین اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کر کے امام الانبیاء ﷺ کی رفاقت کو ہمیشہ کے لئے پسند کرلیا۔ آپ کے قبول اسلام کی خبر اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کی۔ اسی سال لاہور میں یوم تشکر بھی منایا گیا، اسی یوم تشکر کے موقع پر آپ کا احرار کے سرکردہ رہنماؤں کے سامنے تعارف کرایا گیا۔

حضرت امیر شریعت کا واقعہ پروفیسر صاحب نے خود سنایا کہ:

> ''حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کھانے کے وقت مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور ایک ہڈی والی بوٹی میرے منہ میں ٹھونس دی، بوٹی قدرے گرم تھی، وہ میرے منہ سے گر کر میری شلوار پر آ رہی۔ شاہ جی ہنسے اور مجھے کھانا جاری رکھنے کا حکم دیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو شاہ جی نے پانی کا لوٹا خود اٹھایا اور صابن کے ساتھ میری شلوار دھلوانے لگے، پانی خود ڈالتے جاتے اور میں شلوار ملتا جاتا۔''

حضرت امیر شریعتؒ کے ساتھ آپ کا گہرا رابطہ رہا اور حضرت امیر شریعت کے ساتھ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے خود مجھے بتایا کہ میں نے اپنے بیٹوں کے نام حضرت امیر شریعت کے ناموں پر رکھے ہیں، عطاء المحسن، عطاء المنعم، عطاء المؤمن اور چونکہ میرا چوتھا بیٹا ہوا نہیں اس لئے اپنے پوتے کا نام عطاء المہیمن رکھا۔

حضرت امیر شریعتؒ کا ایک واقعہ یہ بھی سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت امیر شریعتؒ کے ہمراہ کے گھر ناشتہ تھا۔

میزبان نے آم تناول فرمانے کا کہا تو شاہ جی نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے میرے جسم میں چینی کا ڈپو کھول دیا ہے اس لئے مجھے میٹھا کھانے کی ضرورت نہیں'' (حضرت کو شوگر ہوگئی تھی)۔

ایک ملاقات میں علامہ محمد عبداللہ صاحب احمد پوریؒ کا ذکر چھڑا تو فرمایا:

''وہ میرے استاذ ہیں اور میرے بہت بڑے محسن ہیں، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی بھرپور توجہ اور اخراجات سے میں نے میٹرک کرلی تو مجلس ختم نبوت والوں نے دینی تعلیم کے لئے علامہ عبداللہ صاحب کے حوالہ کردیا، علامہ صاحب مجھے اور چند اور ساتھیوں کو تہجد کے بعد سے لیکر صبح کی نماز تک پڑھایا کرتے تھے۔ اور ایک ہی سال میں صرف نحو سے لے کر درجہ رابعہ تک کا چار سالہ کورس پڑھا دیا اور امتحان دلوا دیا پھر بعد میں علامہ عبداللہ صاحب ہی مجھے مولانا محمد صادق بہاولپوریؒ کے پاس لائے اور ان کی سفارش پر مجھے ملازمت ملی۔''

پروفیسر صاحب نے ملازمت کے دوران بھی اپنی تعلیم جاری رکھی اور ایم اے اردو میں چوتھی پوزیشن لے کر کامیاب ہوئے۔ 23 سال تک ایس، ای کالج بہاولپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور بہت سی نامور شخصیات مثلاً میاں بلیغ الرحمٰن وغیرہ آپ کے سرفہرست شاگردوں میں شامل ہیں۔

راقم کے پوچھنے پر ایک مرتبہ فرمایا کہ:

''میں نے حضرت مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیعت کے لئے خط لکھا تو حضرت مدنیؒ نے مجھے غائبانہ بیعت فرمالیا اور وظائف بھی بتائے۔ میں اب تک وہ وظائف اہتمام کے ساتھ پورے کرتا ہوں، رات کو صبح کی نماز سے کئی گھنٹے پہلے جاگ جاتا ہوں، نوافل ادا کرتا ہوں، تلاوت کرتا ہوں، ذکر کرتا ہوں اور جامع مسجد ختم نبوت میں جا کر خود صبح کی اذان دیتا ہوں''۔

پروفیسر صاحب بہت اچھے مضمون نگار، خاکہ نگار، ترجمہ نگار اور محقق و نقاد تھے۔ آپ کی کتب ''ندیمانِ جمال'' ان کی قلمی کاوشوں کا خوبصورت مظہر ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت اور مسرتوں سے نواز رکھا تھا، بڑا وسیع اور خوبصورت گھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا، اولاد تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہے۔ معاشرہ میں بھرپور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ پانچ مرتبہ حج بیت اللہ اور روضہ رسول کی زیارت نصیب ہوئی اور متعدد بار عمرہ ادا کیا۔ بزرگوار محترم پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب درست فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام پر استقامت کے بدلے کی ایک جھلک دنیا میں ہی دکھا دی ہے''۔ تاہم پروفیسر صاحب مرحوم قادیانیت کو رد کر کے اسلام سے وابستہ ہونے کو ہی سب سے بڑی دولت سمجھا کرتے تھے اور یقیناً اسلام سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی ہو ہی نہیں سکتی۔